© rasailojaraid.com

تصریحات

قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات مرحلہ وار ختم ہو چکے ہیں۔ انتخابات میں کیا ہوا۔ کیسے کیسے وعدے وعید کئے گئے اور کس انداز میں برادری کی عصبیتوں کو فروغ دیا گیا۔ یہ ہماری تاریخ کا ایک تشویشناک باب ہے۔ بعض مخلص قائدین کرام کی تیس سالہ محنت کے نتیجہ میں، ملکی سطح پر جو قوم کی تربیت کی گئی تھی۔ اس الیکشن نے یہ قومی سطح کی تمام عمارت پیوندِ خاک کر دی ہے۔ اس میں ہر امیدوار نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مقامی مسائل کو اچھالا، قومی مسائل کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ ہر امیدوار نے رائے عامہ کو اپنے بلند بانگ دعاوی سے مغالطہ دیتے ہوئے۔ اعلانات کئے کہ یہاں سکول، کالج بنیں گے۔ یونیورسٹی قائم کی جائے گی۔ ہسپتال ہر بستی میں بنائے جائیں گے۔ ہر گاؤں میں پکی سڑک بنائی جائے گی۔ ہر بستی کو بجلی سے منور کیا جائے گا۔ ہر علاقہ میں غلہ منڈی، بندرگاہ اور ہوائی اڈا بنایا جائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس۔ بعض امیدواروں نے ہر گاؤں میں ایک ایک نیا موگا لگوانے کا وعدہ کیا جبکہ پانی پہلے ہی ضرورت سے بہت حد تک کم ہے۔ ظاہر ہے یہ اندازِ انتخاب اور امیدواروں کا یہ اندازِ گفتگو اس وقت ہی ہو سکتا ہے جب ہر شخص اپنی اپنی الگ ڈفلی بجاتا ہو۔ جماعتیں ایسی بات نہیں کر سکیں۔ یہ بات تو صحیح ہے کہ انتخابات میں حکومت، فریق نہیں بنی اور سرکاری کل پرزے خاصی حد تک غیر جانبدار رہے۔ لیکن بعض حلقوں سے دھاندلیوں کی تشویشناک خبریں بھی آئیں۔ یہ بات بھی مشاہدے میں آئی ہے کہ شناختی کارڈوں کی پابندی نہ کرنے سے خوفناک قسم کی قباحتیں پیدا ہوئیں۔ بعض امیدواروں نے شناختی کارڈ کی عدم پابندی سے دیدہ دلیری سے ناجائز ہتھکنڈے استعمال کیئے۔ اس الیکشن کے عملی تجربہ نے ہمارے موقف کی تائید کی ہے۔ کہ ہمارے ملکی مسائل کا حل جماعتی انتخابات میں ہے۔ اب زود یا بدیر جب تک جماعتیں بحال نہیں ہوں گی اور ممبرانِ اسمبلی اپنی واضح جماعتوں کی صورت اختیار نہیں کریں گے اسمبلی کو کنٹرول کرنا، ملکی سیاسیات کو آگے بڑھانا، دشوار ہی نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ناممکن نظر آتا ہے۔

حالیہ انتخابات نے جناب صدر ضیاء الحق کے تمام بلند بانگ دعاوی کی حقیقت بالکل واضح کر دی ہے۔ صدر صاحب گزشتہ ساڑھے سات برسوں میں، ممبران اسمبلی کی اہلیت کے بارے میں جو فرماتے رہے حالات نے اس کی عملاً تردید کر دی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ انتخابات میں صدر صاحب کا کردار اتنا متضاد اور مخالف ہے کہ اس کا سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا صدر صاحب نے اس بات میں ایسا انداز اختیار کیا جو نہ صرف ان کے شایانِ شان نہیں تھا بلکہ ملکی وقار کے بھی منافی تھا۔ درج ذیل سطور میں آپ ان کی ہلکی سی جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ صدر صاحب نے گزشتہ برسوں اپنے متعدد خطابات میں یہ فرمایا کہ آئندہ ان لوگوں کو انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت ہو گی جو دیانت، امانت، اخلاق، کردار، دینداری، اہلیت اور خلوص کے اعتبار سے مثالی شخصیت کے حامل ہوں۔ چند نئے چہروں کو چھوڑ وہی پرانی شراب اور نئی بوتلوں والی بات ہے اور ان منتخب ہونے والے ممبران اسمبلی میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو نظریہ ضرورت کے تحت کبھی یونینسٹ کبھی مسلم لیگ، کبھی ری پبلکن پارٹی، کبھی کنونشن لیگ کبھی پیپلز پارٹی کبھی صدر کی نامزد شوریٰ میں براجمان رہے ہیں جن کا ہمیشہ سے نقطہ نظر اقتدار سے وابستگی اور اقتدار کی آغوش میں رہ کر د... رنی رہا ہے۔ اگر ان لوگوں کو ہی منتخب کرانا تھا تو آٹھ سال سے جمہوریت کو پابہ زنجیر کیوں رکھا گیا۔

۲۔ صدر صاحب نے اپنے ایک نشری خطاب میں فرمایا کہ اس امیدوار کو الیکشن لڑنے کی اجازت ہو گی جو دو سو ثقہ ائمہ مساجد کی طرف سے اپنے اخلاق و کردار غازی و دیندار ہونے کا سرٹیفیکیٹ پیش کرے۔ کیا ہم یہ صدر صاحب سے پوچھ سکتے ہیں پھر کونسی مجبوری تھی کہ دو صد آئمہ مساجد کو ختم کر کے صرف پچاس عام آدمی کی قید لگائی گئی۔

۳۔ صدر صاحب نے اپنے ایک اعلان میں یہ واضح کیا کہ سرکاری ٹربیونل نے عدالتی تحقیق و تفتیش کے بعد جن حضرات کو سات سال کے لیے سیاسی طور پر نااہل قرار دیا ہے میں اس میں پانچ سال کا اضافہ کرتا ہوں۔ اب وہ بارہ سال تک سیاسی طور پر نااہل قرار دیئے جا چکے ہیں۔ لیکن ابھی اس کی سیاہی خشک نہیں ہونے پائی تھی کہ صدر صاحب کا دوسرا اعلان واجب الاذعان جاری ہو گیا کہ اب ان سے بارہ سال سیاسی نااہلی کی پابندی ختم ہے وہ انتخابات میں بھرپور حصہ لے سکتے ہیں یہ منطق ہماری سمجھ سے بالا ہے کہ لاکھوں روپیہ صرف کر کے سرکاری ٹربیونل نے سات سال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے انہیں نا اہل قرار دیا صدر صاحب نے اس کی تائید کی مزید پانچ سال بڑھا دیئے لیکن اب یکایک ان سے پابندی کی بندش ختم کرنے میں کونسی مجبوری تھی۔ وہ یکایک کیسے پونزہ ہو گئے۔ ظاہر بات ہے یا پہلے غلط تھا یا یہ اقدام ہرگز صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا۔ صدر ایسی اتنی اونچی شخصیت کو ایسے تضاد سے قطعاً اپنا دامن بچا کر رکھنا چاہیے تھا۔

۴۔ سرکاری طور پر الیکشن کمشنر نے بار بار یہ بات واضح کی کہ قومی اسمبلی کے مسلمان امیدوار چالیس ہزار اور صوبائی اسمبلی کے مسلمان امیدوار پچیس ہزار روپے سے زائد رقم الیکشن پر صرف نہیں کر سکتے اگر کسی امیدوار نے زائد رقم خرچ کی اور ثابت ہو گیا تو اس کی رکنیت کالعدم قرار دی جائے گی۔ چنانچہ واضح طور پر امیدواران اسمبلی اپنے اخراجات کے گوشوارے چالیس روز کے اندر اندر پیش کرنے کو کہا گیا۔

ممبران اسمبلی حقیقی یا مصنوعی بہرحال گوشواروں کی تیاری میں مصروف تھے کہ یکایک بارگاہِ صدارت سے گوشوارے پیش کرنے کے اعلان کی منسوخی کا حکم جاری کر دیا۔ صدر صاحب یہ تو آپ ہی فرما سکتے ہیں کہ کس مجبوری اور ناگزیر وجہ کی بنا پر آپ نے ان گوشواروں کا پہلا حکم منسوخ فرمایا ہے۔ جب کہ صورتِ حالات یہ ہے کہ اکثر امیدواروں نے ہزاروں سے متجاوز لاکھوں روپیہ تک صرف کیا۔ قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں چند گنے چنے حضرات ہی ہو سکتے ہیں۔ جنہوں نے اس مقررہ رقم کی پابندی کی ہو۔ الیکشن کمشنر کو اولاً تو اس قسم کا اعلان ہی نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کیونکہ پچیس اور چالیس ہزار میں تو ایک جیپ بھی نہیں آسکتی پھر بینرز، اشتہارات، ٹرانسپورٹ اور الیکشن کمپین اتنی کم رقم میں کیسے چلائی جاسکتی ہے۔ کیا موجودہ مہنگائی سے یہ بے خبر تھے بہرحال صدر صاحب کے اس نئے اعلان سے باشعور شہریوں کو خاصی ذہنی کوفت پہنچی ہے۔

۵۔ گزشتہ دنوں ہم نے ریڈیو سے سنا اور اخبارات میں پڑھا کہ صدر صاحب نے ہر وہ منتخب ممبر اسمبلی جس کی بیوی، باپ، بیٹا وغیرہ سرکاری ملازم ہو اس کی رکنیت ختم ہے۔ صدر صاحب کا یہ اعلان تقریباً ایک درجن ممبران پر برق پتاں بن کر گرا۔ تمام قارئین اور سامعین ورطۂ حیرت میں پڑ گئے۔ سب کی فکر ایک ہی تھی کہ صدر صاحب کسی خاص ممبر کو سزا دینا چاہتے ہیں۔ لیکن دوسرے ہی روز صدر صاحب نے اس حکم کو منسوخ فرما دیا۔

ہم پوری جستجو کے باوجود اس کی وجہ تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے کہ یہ آرڈیننس کیوں جاری ہوا اور کیوں منسوخ ہوا۔ صدر صاحب کو ایسے آرڈیننس کے نفاذ سے بار بار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غور وفکر کر لینا چاہیے کہیں ہماری دفتر شاہی تو صدر صاحب سے اس قسم کے اعلانات تو نہیں کروا رہی۔ اگر یہی آرڈیننس انتخابات سے قبل نافذ کر دیا جاتا تو کتنے اچھے نتائج پیدا ہوتے۔ اب اس کے ردعمل سے کتنے مخلصین کو ذہنی دھکا لگا ہے۔

۶۔ انتخابات کے معاً بعد بڑے کروفر سے یہ اعلان کیا گیا کہ مرکزی صوبائی ڈسٹرکٹ کونسل کارپوریشن میونسل کمیٹی، ٹاؤن کمیٹی کی رکنیت میں سے کسی ایک کی رکنیت رکھی جا سکے گی باقی میں مستعفی ہونا پڑے گا۔ ابھی اس کی سیاہی بھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ صدر صاحب جون تک کی مہلت عنایت فرما دی کیونکہ ایک صد کے قریب ممبران قومی اسمبلی متاثر ہوتے تھے۔ لیکن ہم پورے وثوق سے یہ پیشین گوئی کرتے ہیں کہ آئندہ ان کی رکنیت ختم نہیں ہوگی کیونکہ جون سے پہلے اسمبلیاں اپنی رکنیت کے تحفظ کے بل پاس کر لیں گی۔

کیا موجودہ قومی وصوبائی اسمبلیاں وہی اختیارات رکھتی ہیں جو پارلیمانی نظام کی روایات ہیں۔ یہ امر تو مستقبل ہی بتائے گا۔ البتہ وزیر اعظم صوبائی وزرائے اعلیٰ کی صدارتی نامزدگی سے اسمبلیوں کی بے بسی واضح ہے کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ جو لوگ منتخب ہو کر آ رہے تھے ان کو ہی یہ حقوق اختیارات تفویض کیے جاتے کہ وہ اپنا قائد ایوان منتخب کریں۔ ایسا ایوان کیسے پارلیمانی ہو سکتا ہے جس کے منتخب ارکان اپنا قائد منتخب کرنے کا حق نہ رکھتے ہوں۔ ارکان اسمبلی بااختیار ممبر ہیں یا بے زبان۔ حیرت ہے کہ صدر صاحب باوجود بار بار بااختیار اسمبلی کہنے کے وقت پر آ کر اسے اس کا اختیار دینے سے ہچکچا رہے ہیں۔ بعض امیدواران اسمبلی بازو اٹھا اٹھا کر اپنے اختیارات استعمال کرنے کا اعلان کیا کرتے تھے اب وہ خاموش کیوں ہیں؟

عوام کیا چاہتے ہیں؟ عوام کے جذبات کا اندازہ اس سے بخوبی لگ سکتا ہے۔ کہ غلام دستگیر خان میر علی احمد تالپور، راجہ ظفر الحق، راجہ سکندر زمان، محمد ذاکر قریشی، میاں صلاح الدین، غضنفر محمد خان احمد یوسف، ارباب نیاز محمد، محمود علی، عشرت علی ایسے مضبوط اور ہمہ مقتدر وزرائے کرام عوامی ردِ عمل کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہو گئے۔ بلکہ سابق وزرائے کرام میاں زاہد سرفراز نوابزادہ افتخار احمد انصاری، چوہدری رحمت علی، محمود اعظم فاروقی، ایسے ذہین وفطین اپنے حلقہ میں پاپولر، وسیع حلقہ رکھنے والے لوگ محض اس لیے شکست سے دوچار ہوئے کہ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صدر صاحب کے سابق وزراء اور نفس ناطقہ بنے ہوئے تھے۔ بقول پروفیسر عبدالغفور جماعت اسلامی کو صرف اس لیے کم ووٹ ملے کہ وہ مارشل لاء کی حامی اور سرکاری درباری جماعت بنی ہوئی ہے۔ ان وزراء اور سابق وزرا کی شکست عوام کی اظہار بیزاری اور موجودہ سرکاری پوزیشنوں سے عدم ہم آہنگی کا ثبوت ہے۔ اسی طرح نامزد شوریٰ کے بعض ارکان بھی بعض نوجوانوں سے عوامی بیزاری اور سرکار سے بیزاری کے سبب شکست سے دوچار ہوگئے۔ یہ وزرائے کرام وہی لوگ ہیں جنہوں نے صدر صاحب کے ہاتھ مضبوط کرنے کی غرض سے اپنا بے داغ سیاسی ماضی داؤ پر لگا دیا۔ اور مارشل لاء کی حمایت کی لیکن صدر صاحب نے ان کے خلوص اور خدمات کا صلہ یہ دیا کہ ان پر سینٹ کے دروازے بھی بند کر دیئے جب کہ بھٹو کے دور میں انتخابات میں شکست سے دوچار ہونے والے خواجہ محمد صفدر ۱۹۷۳ء کے دستور کے نفاذ کے بعد سینٹ کے ممبر منتخب ہو گئے نامعلوم اس نمایاں روایت کے ہوتے ہوئے صدر صاحب نے ان ہونے والے وزرا سے کیوں منہ پھیر لیا؟

---

۲۲ مارچ کو قومی اسمبلی نے سپیکر کا انتخاب کیا۔ خواجہ محمد صفدر ایسا منجھا ہوا تجربہ کار سیاستدان مجلس شوریٰ کا چیئرمین اور سرکاری امیدوار ہونے کی وجہ سے ایک دیہاتی نوجوان سے مار کھا گیا۔ خواجہ صفدر کی ناکامی اور فخر امام کی کامیابی سیاست کا رخ معلوم کرنے کے لیے بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔ اس آئینے میں ممبران اسمبلی کے جذبات احساسات اور خیالات نمایاں طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ اب بھی موقع ہے کہ اسمبلی کو با اختیار بنا کر محدود جمہوریت سے دامن بچایا جائے۔

کیا ہی بہتر ہوتا ۲۳ مارچ کو قومی اسمبلی اور سینٹ کے مشترکہ اجلاس میں صدر پاکستان مارشل لاء کے خاتمے کا اعلان فرما دیتے اور اقتدار کو منتخب ممبران اسمبلی کے حوالے کر دیتے لیکن افسوس نہ ہو سکا محمد خان جونیجو کی بطور وزیر اعظم نامزدگی اسمبلی کے بے اختیار ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ وہ کیسی جمہوریت ہے جو مارشل لاء کے جلو میں چلتی اور مارشل لاء کی چھتری کے نیچے پروان چڑھتی ہے۔ یہ جمہوریت بھی ایسے ہی ہے جیسے بھٹو کا عوامی مارشل لاء تھا۔ صدر صاحب کو جلد مارشل لاء ختم کر کے پارلیمانی جمہوریت کو سر بلند رکھنا چاہیے۔ یا بقول پروفیسر عبدالغفور اگر جونیجو صاحب با اختیار وزیر اعظم ہیں تو انہیں فوراً سیاسی جماعتوں کو بحال کر کے مارشل لاء کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بوریا بستر باندھ دینا چاہیے۔ ۹ مارچ کے اخبارات میں ہم نے یہ پڑھا کہ وفاقی گورنمنٹ تیس وزراء اور مزید برآں وزرائے مملکت پر مشتمل مرحلہ وار کابینہ کی تکمیل کر رہی ہے۔ ہمارے اس غریب ملک کے لیے وزراء کی اس فوج ظفر موج کی کیا ضرورت ہے جبکہ ہم معاشی ناہمواریوں اور اقتصادی بدحالی سے پہلے ہی دوچار ہیں۔ ملک کے خزانہ عامرہ کو کے وزراء کے بناؤ سنگھار اور بودوباش پر صرف کرنا ملک کی کونسی خدمت ہے۔ اس کثیر تعداد وزراء پر مشتمل کابینہ کا پس منظر غیر جماعتی انتخابات، تاہم تمام ممبران اسمبلی کو وزارتیں دے کر خوش کیا جا سکے۔ ممبران اسمبلی کے لیے سرکاری خرچ پر ٹیلی فون کا اہتمام اور ۱۵۰/ روپے ماہوار کے حساب سے ان کے بلوں کی ادائیگی۔ غریب ملک کے خزانۂ عامرہ پر کتنا بڑا بوجھ ہے؟ وزیر اعظم، وزرائے اعلیٰ چیئرمین سینٹ، سپیکر وغیرہ کے لیے خصوصی گاڑیاں جو جدید آلات سے آراستہ ہونگی درآمد کی جا رہی ہیں جس پر کروڑوں روپے کا زرِ مبادلہ خرچ ہوگا۔ واقعی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے جانشینوں کے لیے اس اسلامی حکومت کے لیے ایسا ہی انتظام کرنا چاہیے تھا: یہی تقاضائے اسلام اور یہی مطالبۂ دین ہے چہ خوب!

ملک کے قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لیے صدر پاکستان نے اسلامی نظریاتی کونسل نامزد کی تھی جس کے چیئرمین ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن تھے۔ جس میں دیوبندی، بریلوی، شیعہ اور حکیم عبدالرحیم اشرف تمام مکاتب فکر کو نہایت شرح صدر سے نمائندگی دی گئی تھی۔ اور اہلحدیث کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ پیر قمر الدین سیالوی کی وفات کے بعد مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف اس کا رکن نامزد کیا گیا تھا۔ مولانا عطاء اللہ حنیف اپنی مسلسل علالت کی وجہ سے شاید ایک آدھ اجلاس میں شریک ہوئے ہوں۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے سینکڑوں ملکی قوانین کو مشرف با سلام کیا تھا جس میں اہلحدیث کا نقطہ نظر سوچے سمجھے منصوبے کے تحت شامل نہیں کیا گیا تھا۔ نہ ہی اہلحدیث مکتب فکر کو وفاقی شرعی عدالت میں کوئی نمائندگی دی گئی جو اہلحدیث کے ساتھ صریحاً ناانصافی ہے اب یہی نظریاتی کونسل گزشتہ مئی سے اپنی طبعی عمر کو پہنچ کر ختم ہو چکی ہے گیارہ ماہ سے دوسری اسلامی نظریاتی کونسل کی نامزدگی اور اس کے چیئرمین کا اعلان ابھی تک نہیں ہو سکا۔ جب کہ ادعا یہ ہے کہ ہم ملک میں مکمل اسلام کا نفاذ چاہتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کیوں نامزد نہیں کی گئی۔ یا اب اس کی ضرورت ہی نہیں رہی یا پھر یہ صورت ہو سکتی ہے کہ

© rasailojaraid.com